Al-Abṣār (Research Journal of Fiqh & Islamic Studies)
ISSN: 2958-9150 (Print) 2958-9169 (Online)
Published by: Department of Fiqh and Shariah, The Islamia University of Bahawalpur.
Volume 03, Issue 01, January-June 2024, PP: 112-132
DOI: https://doi.org/10.52461/al-abr.v2i2.2427
Open Access at: https://journals.iub.edu.pk/index.php/al-absar/about

اسلامی معاشرے پر مغرب کے تصورِ حریت کے اثرات

Effects of western concept of Liberalism on Islamic society

Tumazir Fatima
Visiting Lecturer of Islamic Studies, University of Lahore, Lahore, Pakistan
tumazirfatima0@gmail.com

Ali Sher
Visiting Lecturer of Islamic Studies, Government College University, Lahore, Pakistan
aligk055@gmail.com

Abstract

From 19th century, Muslims are living in a fast-changing society, within contemporary dominant waves of thought. Atheism, Enlightenment, Liberalism, materialism,feminism, thus all the western thoughts that become difficult challenge for Muslim societies. Liberalism is also one of the fact that being faced by the Muslim Societies.It's one of the movements that is originated from the western concept of renaissance also as a reaction against undue restrictions in the name of religion. The basic philosophy of which is the complete freedom of man in every way. The philosophy of liberalism is that man should do whatever he wants but to the extent that you do not intrude on the freedom of others.As if a liberal person is free-thinking in religion and politics and is not bound by conservatism and traditionalism in religious and political matters.
Its is a way of thinking in which every individual has the power to shape his own way of life. The individual is absolutely free in all aspects of his personal and collective life. People with this mindset do not accept any external interference in the freedom, expression and development of the individual as a human being. Whether this intervention is by religion. Liberal and progressive ideas within Islam are considered controversial by some traditional Muslims, who utilized liberal Muslims on the grounds of being too Western preaching the western thoughts and rationalistic. This study perceives the major consequences of Western Liberalism on the Muslim Societies and its solution in Islamic perspective. The Qur'an and Sunnah guides human being with a social ideology of making a socity humane and united; Thus enabling them to become mutually beneficial and successful individuals.

Keywords
Liberalism,Western thoughts , civilization ,consequences, islam, Islamic society

All Rights Reserved © 2022 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

1 موضوع کا تعارف

کسی عمارت کی مضبوطی اور پائیداری کا انحصار اس کی اساس اور جہاد پر ہے۔ جس قدر بنیاد مضبوط ہو گی، اسی قدر عمارت زیادہ مستحکم زیادہ پائیدار اور زیادہ عرصہ کے لیے قابل استعمال رہے گی۔ بالکل اسی طرح کسی معاشرہ کی اجتماعی ترقی اور خوشحالی کا انحصار اس کے صالح فکر و کردار کے مالک افراد پر ہے جو کہ معاشرہ اور اجتماعیت کی اساس اور بنیاد ہیں۔ فرد کی تربیت، معاشرہ کی تربیت ہے۔ فرد کی اصلاح معاشرہ کی اصلاح ہے۔ جیسے نظریات و عقائد افراد کے ہوں گے وہی تصورات و خیالات اس معاشرے کے ہوں گے جس میں دو زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس لیے فرد کی اہمیت اور اس کے حقوق و اختیارات اور اس کی آزادی کے بارے میں تعلیم ہر مذہب اور ہر نظام میں بنیادی اہمیت کی حامل رہی ہے۔ مگر ہر مذہب اور ہر نظام نے اس کی حیثیت، اس کے حقوق و اختیارات اور اس کی آزادی کی حدود متعین کرنے میں افراط و تفریط سے کام لیا ہے۔

فرد کی حیثیت اور اس کی آزادی کا تعین مختلف مذاہب نے اپنے اپنے نقطہ نظر اور زاویہ نگاہ سے کیا ہے۔ مگر ایک معیار فکر و عمل، جس میں افراط ہو نہ تفریط، فرد کو آزادی بھی ہو اور اس کے تحفظ کی ضمانت بھی، جو متوازن بھی ہو اور معتدل بھی، سوائے دین اسلام کے کہیں نظر نہ آیا۔

جدید نظاموں نے بھی فرد کی حیثیت کو متعین کرنے میں ٹھوکر کھائی۔ راہ اعتدال سے منحرف ہو کر فکر انسانی کو فردیت اور اجتماعیت کے تصورات میں تقسیم کر دیا۔ نتیجتاً انسانیت کے دو نئے طبقات معرض وجود میں آئے اور اس طبقاتی کشمکش کی بدولت حقوق، اختیارات اور آزادی کے حصول کے لیے دنیا کو دو عظیم جنگوں کا سامنا کرنا پڑا۔ نظریہ معاہدہ عمرانی کے شارحین نے بھی فرد کی آزادی کے دو متضاد تصورات پیش کیے اور یہ دونوں تصورات دو نئے نظاموں کی بنیاد بنے۔ ایک نظام نے تمام قوت اور اختیارات کا سرچشمہ فرد کو قرار دیا۔ تو دوسرے نے ریاستی کنٹرول میں فرد کی حیثیت کو سرے سے ہی ختم کر دیا۔ جدید سیکولر فکر کے بانیوں نے جو تصور آزادی دیا۔ اس کی بدولت آج پورا مغربی معاشرہ برائی، عریانی، فحاشی فکری تضاد اور نفسیاتی امراض کا شکار ہو چکا ہے۔

الغرض دنیا کے تمام نظام ہائے زندگی طبقاتی یا انفرادی مفاد پر مبنی ہیں۔ چنانچہ اشتراکیت کے علمبردار سرمایہ داری کے عیوب گنواتے ہیں اور سرمایہ داری اشتراکیت میں کیڑے نکالتی رہتی ہے۔ جمہوریت، آمریت کو غلط اور ناکارہ بتاتی ہے اور ڈکٹیٹر شپ، جمہوریت کو احمقوں کی جنت قرار دیتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نظام کسی فرد یا طبقے کے مفاد کو باقی افراد اور طبقات کے مفاد پر ترجیح دیتا ہے اور جس حکمران، فرد یا طبقے کا بس چلتا ہے وہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے قوانین بنا لیتا ہے۔ تاکہ سارے فائدے وہ اکیلا ہی سمیٹ لے اور باقی محروم رہ جائیں۔ آزادی، بھائی چارہ، مساوات، قانونی تحفظ اور روٹی، کپڑا اور مکان جیسے جس قدر راگ الاپے جا رہے ہیں ان سے اصل حقیقت پر کوئی پردہ نہیں پڑتا۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ تمام قوانین غالب طبقے کے حق میں

اور مظلوم طبقوں کے خلاف ہیں۔ برطانیہ کا قانون، جو دنیا میں جمہوریت کی معراج خیال کیا جاتا ہے، مزدوروں کے بالمقابل سرمایہ داروں کے ہی مفادات کا تحفظ کرتا ہے۔ اگرچہ برطانیہ میں طبقاتی کشمکش ابھی بڑی دھیمی ہے مگر حقیقت اپنی جگہ حقیقت ہی ہے۔ اسلامی نظام میں تمام انسان برابر اور اللہ کے بندے ہیں۔ اس لیے اسلام تمام لوگوں کے مفادات اور آزادی کو بیک وقت پیش نظر رکھتا ہے۔ انسانوں کا بنایا ہوا قانون تمام افراد کے حقوق و اختیارات اور آزادی کا تحفظ نہیں کر سکتا کیونکہ انسانی عقل ہر فرد کی حاجات و مفادات کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ یہ تو کسی مشینری کا کاریگر ہی بنا سکتا ہے کہ اسے درست طور پر چلانے کے لیے کس قسم کے کنٹرول کی ضرورت ہے اور کن حالات میں اسے آزاد چھوڑ دینے سے کام بہتر طور پر سرانجام پا سکیں گے۔ لہذا اس دنیا میں دین اسلام میں ہی ایسی قوت اور طاقت موجود ہے کہ تمام افراد کی آزادی اور مفادات کے تحفظ کی ضمانت دے سکے۔ یہی اسلام کا طرہ امتیاز ہے۔ اسلام نے فرد کی زندگی میں چند حدود مقرر کر کے فرد کی آزادی کو محفوظ کر دیا ہے تاکہ تمام زیادتیوں کی روک تھام کر کے ہر فرد کو موقع فراہم ہو کہ وہ آزادانہ عمل کرے اور زندگی سے ہر ممکن حد تک فائدہ حاصل کرے۔ مگر اس کا عمل نہ تو باعث تکلیف ہو اور نہ ہی اس کے عمل سے کسی کو زندگی کے مفادات حاصل کرنے کے مواقع میں تنگی ہو۔ اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو معاشرے کے ہر فرد کو چاہے اس کا تعلق کمزور طبقے سے ہو یا طاقتور طبقے سے، حاکم سے ہو یا محکوم سے، امیر سے ہو یا غریب سے، آزادی کے یکساں مواقع فراہم کرتا ہے اور اس کی نظر میں ہر فرد معاشی، سیاسی، فکری اور معاشرتی طور پر آزاد ہے اور اسلام اس آزادی کے تحفظ کی ضمانت بھی دیتا ہے۔

2 حریت کا مفہوم

"حریت" عربی زبان کا لفظ ہے جو اپنے معانی کے اعتبار سے بہت وسیع ہے۔ اس کے لفظی معنی آزادی کے ہیں۔ کیونکہ یہ لفظ "عبدیت (غلامی)" کے متضاد کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ابن منظور لسان العرب" میں لفظ "حریت" کی یوں تشریح کرتے ہیں:

> والحر بالضم: نقيض العبد (وہ شخص جو کسی کا غلام نہ ہو) والجمع احرار و حرار- والحرة: نقيض الامة (لونڈی کا آزاد ہونا) والجمع حرائر. وحرره: اعتقه (وہ آزاد کر دیا گیا) المحرر: الذي جعل من العبيد حرا فاعتق (وہ شخص غلامی سے آزاد کر دیا گیا پس اسے رہائی مل گئی)۔و تحرير الولد: ان يفرده لطاعة الله عز وجل و خدمة المسجد 1۔ یہ کہ اسے اللہ عزوجل کی اطاعت اور مسجد کی خدمات کے لئے چھوڑ دینا۔

حریت کا مادہ "ح ر" ہے یہ لفظ عبرانی زبان کے لفظ "حور hor اور آرامی زبان کے لفظ "حیر her (حروطا Heruta) کے

مترادف ہے۔[2] القاموس"میں ہے:

الحر بالضم خلاف العبد و خيار كل شيئ والفرس العتيق و من الطين والرمل الطيب
ورجل بين الحرورية و يضم الحرورة والحرار والحرية 3

امام راغب اصفہائی کے بقول حر، عبد کی ضد ہے۔ اس کے علاوہ لفظ "در" شریف کے معنوں میں بھی استعمال ہو تا ہے۔ حربين الحرورية او الحرورة:وہ آدمی جس کی شرافت نمایاں ہو۔ امام راغب کے نزدیک حریت کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کے معنی ہیں کسی کا غلام نہ ہونا۔ جیسے قرآن مجید میں ہے:-

ياايها الذين امنوا كتب عليكم القصاص في القتلى الحر باالحر والعبد بالعبد والانثى بالانثى[4]

اے ایمان والو تم پر مقتولوں کے ضمن میں قصاص (برابری کرنا فرض کیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔

دوسری قسم کے معنی صفات ذمیمہ یعنی حرص اور دنیوی مال ومتاع کے لالچ سے آزاد ہونا اور اپنے آپ کو خدا کیلئے وقف کر دینا ہیں۔ جیسے قرآن میں حضرت مریم کی والدہ کے قول کے طور پر آیا ہے۔

رب اني نذرت لك ما في بطني محررا [5]

اے میرے رب جو کچھ میرے پیٹ میں ہے میں نے اسے ہر چیز سے آزاد رکھ کر تیری نذر کیا۔

مجاھد نے محررا کے معنی خادم معبد کے کیے ہیں۔ امام جعفر نے کہا ہے کہ وہ امور دنیوی سے آزاد ہو گا.[6].

المنجد"میں ہے: حراراً العبد عتق و صارحراً(آزاد ہونا) حراراً وحرية كان حر الاصل شريفة (شریف الاصل ہونا، خاندانی شریف ہونا)حور العبد:اعتقه (غلام کو آزاد کرنا)۔تحرر العبد:صار حراً(غلام کا آزاد ہونا)الحر ج احرار و حرار خلاف العبد والا سير (آزاد) الحرية والحرورة والحرورية وتضم الحاء فيها خاصة من كان حراً[7](آزادی)۔ جبران مسعود نے لکھاہے:- الحرية : مص حريجر.(۱) القدرة على التصرف بملء الارادة والخيار .(مکمل ارادہ واختیار کے ساتھ تصرف کی آزادی)۔(۲) الخلوص من العبودية او اللوم او نحوهما[8](غلامی یا ملامت یا ان کی طرح کی کسی چیز سے رہائی یا چھٹکارا)۔ حریت کیلئے استعمال ہونیوالے فارسی زبان کے لفظ "آزادی" کے معنی رہائی، چھٹکارا، خود مختاری یا اختیاری اور بے پروائی کے ہیں۔[9]

انگریزی زبان میں حریت یا آزادی کیلئے "FREEDOM" کے علاوہ لفظ "LIBERTY" بھی استعمال ہوتا ہے۔ جو کہ لاطینی لفظ LIBER سے ماخوذ ہے۔ لفظ "LIBERTY" کی اہل لغت نے یوں تشریح کی ہے۔

"Freedom, from captivity, slavery, imprisonment, or despotic control. The right or power to

do as one pleases[10] ".

Freedom from despotic rule personified" (قید غلامی، جیل اور ظالمانہ تسلط سے آزادی)

(کسی شخص کی ظالمانہ تسلط سے آزادی)

Privileges, immunities, or rights enjoyed by prescription. or grant[11]".
The right to act, believe or express oneself in a manner of one's own choosing. The condition to being free from confinement, servitude, or forced labour[12].

کسی شخص کو اپنی مرضی کے طریقے سے عمل، عقیدہ و اظہار کا حق ہونا نیز قید، غلامی، جبری مشقت سے آزاد ہونا۔

2.1 اصطلاحی مفہوم

اصطلاحی اعتبار سے حریت یا آزادی کا لفظ بہت وسیع معانی رکھتا ہے جو کہ افراد کے انفرادی اور اجتماعی حقوق کے تحفظ کے اظہار کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ انفرادی طور پر، اصطلاح میں، آزادی یا حریت سے مراد کسی فرد کا وہ حق ہے جس کے تحت وہ ہر شعبہ زندگی میں اپنی مرضی اور ارادہ و اختیار کے ساتھ عمل کر سکتا ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں کسی فرد کی معاشرہ کے دوسرے افراد کی غلامی یا تسلط اور حکومت کے جبر و استبداد اور بے جا پابندیوں سے نجات کا نام حریت ہے۔ اگر لفظ "حریت" کو فرد کی انفردی زندگی پر منطبق کر کے دیکھیں تو یہ ہمیں دو پہلوؤں میں تقسیم ہوتا نظر آئے گا۔ یعنی ظاہری آزادی اور باطنی آزادی۔ ظاہری آزادی یا (دوسرے لفظوں میں) جسمانی آزادی کا مفہوم واضح طور پر یہ ہے کہ انسان عملی طور پر آزاد ہو۔ جبکہ باطنی آزادی یا فکری آزادی سے مراد یہ ہے کہ انسان آزادانہ طور پر کسی بھی پہلوئے حیات پر غور و فکر کرتے ہوئے رائے زنی کر سکے اور اس پر کسی قسم کی کوئی قدغن نہ لگائی جائے۔ یعنی انفس و آفاق کے کسی بھی معاملے میں اپنی عقل و خرد کے مطابق جیسی رائے چاہے قائم کر سکے۔

حریت کی اصطلاح عام طور پر "عبدیت (غلامی) کے متضاد کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ جیسے حدیث میں آتا ہے کہ اگر کسی شخص نے غلام کو آزاد کرنے کا اعلان کرنا ہوتا تو وہ اس طرح کہتا تھا۔ هو حر لوجه الله [13] (میں اسے اللہ کی رضاجوئی کیلئے آزاد کرتا ہوں)۔

حریت کا لفظ اخلاقیات کی اصطلاح کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ جس کے تحت "مرد حر" اس شخص کو کہا جاتا ہے جو صفات حمیدہ اور اعلیٰ اخلاق کا حامل ہو۔ لسان العرب میں ہے:-

والحر من الناس اخبارهم و افاضلهم وحرية العرب اشرافهم [14]

تاج العروس" میں بھی حریت کو ان معنوں میں لیا گیا ہے:-

الحرية (من العرب) اشرافهم ويقال هو من حرية قومه اى من خالصهم [15]

حریت" تصوف کی بھی ایک اصطلاح ہے جس کے مطابق حریت نام ہے خدا اور اس کی بندگی کے سوا ہر چیز سے چھٹکارا پانے کا۔ یہ اس رشتے کے اقرار کا نام ہے جو اللہ (آقا) اور اس کے بندوں کے درمیان ہے کہ وہ کامل طور پر اس کے محتاج ہیں۔[16]

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا(Encyclopaedia Britannica) کے مطابق حریت، آزادی کی ایسی حالت کا نام ہے جس میں کوئی پابندی اور سیاسی جبر نہ ہو۔ اس میں حریت کی دو اقسام بیان کی گئی ہیں۔

(الف) شہری آزادی: یعنی تمام مستبدانہ پابندیوں کا خاتمہ اور فطری اور تمدنی حقوق کا حصول۔

(ب) سیاسی آزادی: جس کی رو سے ہر شہری کو اپنی حکومت منتخب کا نام دیا لیا ہے۔ اس حد تک وہ دوسرے افراد اور معاشرے کے ساتھ تعلقات استوار رکھتے ہوئے تمام شعبہ ہائے زندگی میں اپنا ارادہ و اختیار استعمال کر سکتا ہے اور اپنی خواہش کے مطابق بلا روک ٹوک اعمال سر انجام دے سکتا ہے۔

3 مختلف مفکرین کے نزدیک آزادی کا مفہوم

ارسطو(ARISTOTLE): ارسطو اپنی مرضی کے آزادانہ استعمال کو آزادی کہتا ہے۔ اس کے اپنے الفاظ میں:

Liberty is defined as doing what one wants[17] ".

اس کے خیال میں جمہوری آئین کی بنیاد آزادی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

“The foundation of the democratic constitution is liberty. People constantly make this statement implying that only in this constitiution is there any share in liber- ty at all; every democracy has liberty for its aim. 'Ruling and being ruled in turn' is one element in liberty”[18]

افلاطون(PLATO): افلاطون کے نزدیک عمومی طور پر انفرادی آزادی یا فردیت (Individualism) کی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ اپنی جمہوریہ" میں کیمونزم کا قائل ہے۔ وہ انسانوں کے قدرتی حقوق اور ایسی آزادی کے خلاف ہے کہ ہر آدمی جو چاہے کرتا پھرے۔ ایک فرد کی انفرادیت، اس کے حقوق اور اس کی آزادی صرف یہاں تک محدود ہے کہ وہ اجتماعی طور پر معاشرے کی فلاح و بہبود کے لئے اپنا کردار ادا کر سکے۔[19]

تھامس ھابز(THOMAS HOBBES): تھامس ہابز (Hobbes) بھی افلاطون کی طرح انفرادیت کی بجائے اجتماعیت کا حامی ہے۔ اس کے خیال میں مشترکہ اقدار میں ہی فرد کی ذاتی آزادی کی حفاظت کا راز مضمر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ریاست کی قوت اور قانون کا اختیار اس لیے اہم ہیں کیونکہ یہ افراد (کی آزادی) کی حفاظت کرتے ہیں۔ ذاتی حفاظت کا داعیہ افراد کو اس بات پر ابھارتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ معاہدہ کریں اور اپنی مدد آپ کی جگہ ایک حکمران کے تابع ہو جائیں جو نہ تو معاہدے کا

فریق ہوتا ہے اور نہ ہی معاہدے کا پابند ہوتا ہے۔ یہ چیز حاکم کے بے شمار اختیارات میں اضافہ کرتی ہے۔ اس طرح تھامس ہابز آزادی کو محض ایک سیاسی قوت خیال کرتا ہے۔وہ کہتا ہے:-

"Freedom is a political power divided into small fragments[20]"

یعنی آزادی کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک تمام افراد معاشرہ باہم کوئی مشترکہ معاہدہ نہ کرلیں۔وہ حقوق کو قوت سے تعبیر کرتا ہے اور معاہدے کو حقوق کا باہمی تبادلہ (Mutual transference of rights) گردانتا ہے۔وہ افراد معاشرہ کی آزادی میں قانون کی مداخلت کو پسند نہیں کرتا۔اس کے خیال میں قانون اور حقوق میں اتنا ہی فرق ہے

ابو نصر الفارابی: فارابی اگرچہ افلاطون کی "جمہوریہ،، سے خاصا متاثر ہے۔لیکن افلاطون کے اشتراکی نقطہ نظر سے اتفاق نہیں کرتا۔اس کے خیال میں ایک شہری ریاست کے اندر ہر فرد کو برابر حقوق حاصل ہیں۔ہر فرد کو انفرادی علم و عمل کی آزادی کے ساتھ ساتھ ذاتی جائیداد رکھنے کی بھی آزادی حاصل ہے۔[21]

علامہ محمد اقبال: علامہ اقبال آزادی کے بارے میں درج ذیل الفاظ میں اظہار خیال کرتے ہیں:- ہمارے شعوری کردار کی آزادی کی تائید قرآن مجید کے اس نظریے سے بھی ہو جاتی ہے جو اس نے خودی کے اعمال و افعال کے بارے میں کیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس حقیقت کی طرف قطعی اشارہ موجودہ ہے۔[22]اسلام کو نفسیات انسانی کی اس زبردست حقیقت کا بھی اعتراف ہے کہ ہماری یہ قدرت کہ آزادی و اختیار سے جیسے چاہیں عمل کریں ہمیشہ یکساں نہیں رہتی، وہ کبھی بڑھتی رہتی ہے اور کبھی گھٹ جاتی ہے۔ لہذا اسلام چاہتا ہے کہ آزادی و اختیار کی یہ قدرت خودی کی زندگی کا ایک مستقل عنصر بن جائے گویا صلوۃ سے اسلام کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ خودی میکانیت سے بچے اور اس کی بجائے آزادی و اختیار حاصل کرے۔[23] علامہ اقبالؒ حریت فکر کے بھی بڑے زبردست علمبردار ہیں۔لیکن ان کے خیال میں اس کے لیے فکری پختگی بڑی ضروری ہے۔

ہو فکر اگر خام تو آزادی افکار انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ[24]

ان کے خیال میں فرد کی زندگی کی اصل روح آزادی' ہے۔ محکوم کی زندگی موت سے عبارت ہے۔

آزاد کا ہر لحظہ پیام ابدیت محکوم کا ہر لحظہ نئی مرگ مفاجات[25]

4 حریت فکر کا مغربی تصور

سوچ، فکر اور غور و تدبر ہی ایک ایسی نعمت عظمی ہے کہ اس کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات کہلایا۔اسلام نے آزادی فکر کو جو اہمیت دی ہے وہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔اہل مغرب بھی جب انسانی نفسیات کا فطری حوالے سے جائزہ لیتے ہیں تو

غور و فکر ان کی فکر کا بھی بنیادی نقطہ قرار پاتا ہے۔ لیکن انسانی فکر کا رخ متعین کرنے میں مغرب نے ضرور ٹھوکر کھائی ہے۔ مشہور مغربی مفکر جان ڈیوی فکر انسانی کو انسانی نفسیات کے حوالے سے یوں دیکھتا ہے:-

سوچ وچار علم کی ترقی میں اگلی منزل ہے۔ سوچ وبچار کی تعریف ہم یوں کر سکتے ہیں کہ "آفاقی عناصر کا علم۔ سوچ وبچار اور غور و فکر سے ذہن محدود نہیں رہتا۔[26]

ایک امریکی ماہر نفسیات فلو کڈ ایل رچ (Floyd L.Ruch) بھی غور و فکر اور سوچ وبچار کو انسانی زندگی کا جیادی عصر قرار دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "سوچ وبچار میں ماحولیاتی عناصر کی تنظیم علامات پر مشتمل ہوتی ہے۔ مثلاً ایک اچھا بڑھئی پہلے سوچتا اور اپنے کام کی منصوبہ بندی کرتا ہے"۔[27]

باوجود اس بات کے کہ شرف انسانیت کا اصل سبب ہی سوچ و فکر، ارادہ واختیار، شعور آگہی جیسا بنیادی جوہر انسانیت ہے، مغرب کے تجربیت پسند ماہرین نفسیات نے انسانی زندگی کی تعبیر بھی حیوانات ہی کی طرح کی ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک انسانی شعور اور افکار انسان کے جسم میں ہونے والے غدودی اور کیمیائی عمل کا نتیجہ ہیں۔ ان کی رائے کے مطابق "جنسی غدود" سے جنسی شعور ابھرتا ہے اور "غدہ امومہ مادری شعور پیدا کرتا ہے۔ غدہ کظر" سے بہادری یا بزدلی پیدا ہوتی ہے اور غدہ درقیہ" سے عصبی، معتدل یا بارد نظام بنتا ہے"۔[28]

پندرھویں صدی عیسوی کو فکر مغرب کے حوالے سے نشاۃ ثانیہ کا دور کہا جاتا ہے کہ یونانی علماء کے پورے مغرب میں پھیل جانے کے باعث مغربی ذہن، جو کہ گذشتہ قریباً ایک ہزار برس سے مردہ ہو چکا تھا، اس کو دوبارہ زندگی ملی۔ وحی اور الہامی رہنمائی سے بے نیاز یونانی علوم چونکہ خالصتاً عقلی اور محض انسانی نقطہ نظر سے تشکیل شدہ تھے لہذا کائنات کا مرکز انسان ہی کو سمجھا گیا۔ چنانچہ فکری احیاء کی اس تحریک کا نام انسان پرستی (Humanism) قرار پایا جس کا مقصد عقل انسانی کو اصل اہمیت دینا تھا۔ فرد اور اس کے تجربہ کو مذہب، اخلاقیات اور معاشرتی زندگی کے ہر معاملے میں آخری معیار سمجھ لیا گیا۔

مغرب کی عقلیت پرستی کو فرانسیسی فلسفی ڈیکارٹ (Descartes) اور برطانوی سائنسدان نیوٹن (Newton) کے نظریات نے خاصی حد تک پروان چڑھایا۔ ڈیکارٹ نے اپنی طرف سے تو روح اور مادہ کی دوئی کا مسئلہ حل کرنے کی کوشش کی لیکن نتیجہ الٹا یہ نکلا کہ لوگ "روح" کے معنی ہی بھول گئے۔ اور اس کی جگہ "ذہن" یا" نفس" نے لے لی۔ نیوٹن نے اپنے نظریات سے یہ تاثر دیا کہ کائنات کا نظام لگے بندھے طبعی قوانین کے تحت چل رہا ہے اور انسانی عقل پورا کا سارا نظام تسخیر کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ عقلیت پرستی کو جان لاک (Locke) اور ہارٹلے (Hartley) نے اپنے نظریات سے نفساتی حوالے سے ترقی دی پھر

ہیوم (Hume) اور کومتے (Comte) کے نظریات نے مغربی فکر میں حسی تجربے اور عقل کی فوقیت پر گویا مہر تصدیق ثبت کر دی۔ آگے چل کر مغربی مفکرین نے فطرت پرستی (Naturalism) کے نام پر دراصل مادیت پرستی کے دور کا آغاز کر دیا۔ پھر انیسویں صدی میں ایک نظریہ افادیت پرستی (Utilitarianism) نے بڑی مقبولیت حاصل کی جس کے مطابق سعادت اور اخلاقیات کا معیار ہر چیز کا افادی پہلو بن گیا۔ آہستہ آہستہ فکر مغرب کا مذہب مخالف رجحان آزاد خیالی (Free thought) کی فکری منزل تک پہنچ گیا۔ اس سارے فکری ارتقاء کے پس منظر میں بنظر غائر دیکھا جائے تو اس حقیقت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے کہ اول تو مفکرین مغرب نے انسانیت کے اصل پہلو کو موضوع ہی نہیں بنایا۔ یا پھر ان میں سے جن لوگوں نے انسانیت کے اصل پہلو کی طرف توجہ دی، وہ بھی اس کا صحیح مقام متعین نہیں کر سکے۔ بنیادی طور پر مغربی مفکرین کا طریق کار مذہب سے متصادم نہ تھا۔ کائنات کے آثار کا مشاہدہ، ان کے اسرار کی تحقیق، ان کے کلی قوانین کی دریافت، ان کے مظاہر پر غور و فکر اور ان کو ترتیب دے کر قیاس و برہان کے ذریعے سے نتائج کا استنباط، ان میں سے کوئی چیز بھی مذہب کے نقطہ نظر کے خلاف نہیں۔ مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ عیسائی پادریوں نے اپنے مذہبی اعتقادات کی بنیاد قدیم یونانی فلسفہ و حکمت پر رکھی تھی۔ اور سمجھا یہ کہ اگر جدید علمی تحقیقات اور فکری اجتماد سے کام لیا گیا تو مذہب کی بنیاد متزلزل ہو جائے گی۔ کلیسا کی ایسی فرسودہ خیالی نے مغرب میں آزاد خیالی کی تحریک کو جنم دیا اور یوں مغرب کے آزاد خیالوں نے حریت فکر کو ایک نعرے کے طور پر استعمال کیا اور مذہب کو ہمیشہ اپنے مد مقابل سمجھا۔ اسی تضاد کے نتیجے میں مغربی حریت فکر کی بنیاد ایسے مافوق الفطرت، غیر محسوس اور غیر مادی حقائق کا برملا انکار کرنے کے بعد مذہب سے بیزاری جدید نظام فکر کا بنیادی عصر قرار پایا۔ مغرب میں اب صرف وہ علم معتبر سمجھا جانے لگا۔ جس سے لادینی فکر کو تقویت ملتی ہو۔ سائنس کا ہر ہم سفر شعوری یا غیر شعوری طور پر مذہب بیزاری کے جذبہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔[29]

اس لادینی رجحان نے مغرب میں انسانی فکر کو ایسی آزادی عطا کی کہ اس پر کوئی داخلی یا خارجی پابندی باقی نہ رہی۔ ویبسٹر (Webster) فکر انسانی کے ایسے تصور کو یوں بیان کرتا ہے:-

"Free will is the doctrine that human being are not controlled in their choices by physical or divinely imposed necessity.[30]"

اہل مغرب کا فکر انسانی کے بارے میں یہ آزاد تصور، جس کی بنیاد محض مذہب بیزاری پر رکھی گئی تھی، مختلف ارتقائی مراحل طے کرنے کے بعد "حریت فکر" کی تحریک کی بنیاد ثابت ہوا۔ اس تصور پر مبنی فکر و فلسفہ نے مذہبی، سیاسی اور معاشرتی استحصال کے شکار اہل مغرب کو ایک نئی فکری جہت عطا کی۔ جس کے تحت انہوں نے آزادی، مساوات، خوشحالی، ترقی اور عالمی امن و انصاف جیسے خوبصورت خواب دیکھنے شروع کر دیئے۔ مذہب اور کلیسا کو صدیوں سے جو مقام حاصل تھا، اس تحریک کی بدولت وہ

عوامی سطح پر چیلنج کر دیا گیا حالانکہ اس سے قبل ایسا سوچنا بھی گناہ تصور کیا جاتا تھا۔ اب حریت فکر کی اس تحریک کے باعث مذہبی عقائد و تعلیمات کی حیثیت مشکوک ہونے کے بعد کلیسا کا تقدس بھی خطرے میں پڑ گیا۔ چنانچہ آہستہ آہستہ مذہب کا دائرہ کار تنگ ہو تا چلا گیا۔ اہل مغرب کا مذہب یا کلیسا پر اعتماد ختم کرنے میں مذہبی مقتدر طبقہ (پادریوں) کے منفی رویہ نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ سائنسی فکر کے غلبے کا نیار جحان بھی حریت فکر کی اس تحریک کا معاون ثابت ہو اور مذہب کے لیے ایک بڑے چیلنج کی حیثیت اختیار کر گیا اس طرح ہر اس نظریے کا انکار کر دیا گیا جس کی بنیاد مشاہدے اور تجربی احساسات پر نہ تھی۔ یہ حریت فکر کی حدود سے صریحاً تجاوز تھا۔ اس کے بعد مغربی عوام اور سائنسی تحقیقات میں جو ذہنیت کارفرما رہی ہے وہ یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس کائنات کو ایک مشینی ساخت میں تبدیل کر دیا جائے۔ جو خالق و صانع اور مدبر کائنات کے تصورات سے آزاد ہو۔ اور اس طرح فکر انسانی نے جو روپ اختیار کیا اس ذہنیت کو لادینیت اور الحاد کا نام دیا جاسکتا ہے۔[31]

لادینیت والحاد کی تحریک کم و بیش چار صدیوں کا طویل سفر طے کر کے اپنی موجودہ منزل تک پہنچی ہے۔ مغربی مفکرین کے جملہ فلسفیانہ افکار اور سائنسی انکشافات لادینیت کی اس تحریک کو ترقی دینے کا سبب نے۔ ایک قابل توجہ بات یہ ہے کہ تمام کے تمام فلاسفہ، حکماء اور سائنسدان حقیقی اعتبار سے ملحد یا بے دین نہیں تھے بلکہ بعض تو ان میں کے مذہب پرست اور دین دار قسم کے لوگ تھے۔ لیکن یہ سب شعوری یالاشعوری طور پر وقت کی لادینی رو میں بہتے چلے گئے۔ ان کی سوچ کا انداز وہی تھا جو مذہب سے بیزار لوگوں اور منکرین خدا کا تھا۔ ان کے قلبی عقائد ان کے انداز فکر پر اور ان کی تحریروں پر اثر انداز نہیں ہوئے۔ ان کی فکری کاوشوں سے لادینی تحریک کو فروغ حاصل ہوا۔ ان میں سے بعض نے صرف اہل کلیسا کے باطل افکار اور مزعومات کی تردید پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ طیش میں آکر مذہب اور حقائق ثابتہ کا بھی انکار کر ڈالا۔[32]

اس کی وجہ یہ تھی کہ مغرب میں مذہب کی نمائندگی عیسائیت اور عیسائیت کی نمائندگی کلیسا کرتا تھا۔ اس طرح کلیسا کو ہی مذہب کا نمائندہ سمجھا جاتا تھا۔ کلیسا لوگوں کی روحانیت پر توجہ دینے اور محبت والفت اور نرمی و مہربانی کا گہوارہ بننے کی بجائے اقتدار کا دعویدار بن بیٹھا۔ اور ایک زمانے تک لوگوں کی عقل و روح کے علاوہ ان کے جسموں پر بھی مسلط رہا۔

5 تحریک کے آغاز کے اسباب

یہ تحریک دراصل معاشرتی محرومیوں کے سبب انتقام کی صورت وجود میں آئی جس کے چند اہم اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

5.1 مذہبی طبقہ کے باہمی اختلافات

لبرل ازم / حریت پسندی کی تحریک کے آغاز سے قبل مشرقی اور مغربی کلیساؤں کا نظریہ عقیدہ، عمل اور اختیارات کے حوالے سے اختلاف رونما ہوا۔ مشرقی کلیسا کی The Holy orthodox Church اور مغربی کلیسا کی رومن کیتھولک چرچ کے نام سے تقسیم عمل میں آئی جس کی وجہ سے عوام کی مذہبی توجہات بھی تقسیم ہو گئیں۔ مذہب کے یہ علمبردار اپنے آپ کو اللہ کا نائب قرار دیتے ہوئے اپنے ہر حکم کے انکار کو اللہ کے حکم کا انکار قرار دیتے اور منکرین کو قتل کرنے کا حکم صادر کرتے۔ مزید یہ کہ وہ اپنے آپ کو علم و معرفت کا واحد منبع قرار دیتے۔ نتیجتاً عوام مذہب کے ان علمبرداروں کے باہمی اختلافات، مذہبی تنازعات اور ان کے شدت پر مبنی رویوں سے نکلنے کا راستہ تلاش کرنے لگے۔[33]

5.2 طبقاتی تقسیم

عام طور پر زمانہ وسطیٰ (Medieval Era) پانچویں صدی عیسویں سے لے کر گیارھویں صدی عیسوی تک خیال کیا جاتا ہے۔ اس دور کو تاریک زمانہ (Dark Ages) کا نام دیا ہے۔ اس زمانے کے یورپی معاشرے میں طبقاتی تقسیم، توہم پرستی، ظالمانہ سزائوں کا رواج اور جہالت عام تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ چرچ اور مذہب کی اجارہ داری تھی۔ یورپی معاشرہ میں دولت کی غیر مساوی تقسیم اور اختیارات کے ناجائز استعمال کی وجہ سے مختلف دیگر طبقات بھی وجود میں آئے۔ دولت کی غیر مساوی تقسیم کی وجہ سے معاشرہ میں امیر وغریب کے درمیان بہت زیادہ فرق ہو گیا تھا۔ غریب لوگوں کا معاشرے میں کوئی قانونی مرتبہ نہیں تھا اور نہ ہی انہیں ان کے بنیادی حقوق میسر تھے۔ اس طبقاتی تقسیم کی وجہ سے مراعات یافتہ طبقہ اس طبقاتی تقسیم کو عمداً اختیار کیا گیا تھا۔ اس کے پیچھے یہ حکمت کار فرما تھی کہ معاشرہ میں ہر طبقہ اپنا کام کرتا رہے یعنی دفاع کے ذمہ داران اپنی ذمہ داری نبھائیں۔ عبادت والے صرف مذہبی معاملات تک رہیں۔ کاشت اور تجارت کرنے والے اپنے کام سے کام رکھیں اور اس طرح ہر طبقہ اپنے کام پر مطمئن رہے۔

اس طبقاتی تقسیم نے محرومیوں کو جنم دیا اور عوامی محرومیوں کا رد عمل کئی صورتوں میں ظاہر ہوا۔ کسانوں نے بغاوتیں کیں۔ انفرادی طور پر محروم طبقہ کے لوگ ڈاکو بھی تھے لہذا ان ڈاکوئوں نے زمینداروں، جاگیرداروں اور امراء کے خلاف اپنی سرگرمیاں شروع کیں۔ اس طرح کرنے سے یہ عام لوگوں کے ہیرو بن گئے۔ حتی کہ خانہ بدوش طبقے ان کے گیت گاتے تھے۔[34]

لبرل ازم کی تحریک کے آغاز سے قبل یورپ کا ماحول یہ تھا یورپ نے اپنی جغرافیائی حدود کو بڑھانے کے لئے جنگوں کا ایک وسیع سلسلہ شروع کرر کھا تھا۔ جاگیر دار طبقہ نے اپنی جاگیروں میں اضافہ کے پیش نظر ان جنگوں پر بے حد سرمایہ کاری کی۔ جنگوں کے نتائج مختلف آنے کی صورت میں جاگیر دار طبقہ کمزور جبکہ تاجر امیر ہوتے گئے۔ نتیجتاً معاشرے کا توازن بگڑا اور جاگیرداروں کے مقابلے میں تاجر، حکمرانوں کے پسندیدہ بن گئے جو ان جنگوں میں سرمایہ کاری بھی کرتے اور پیسہ ادھار بھی دیتے۔

5.3 مذہبی طبقہ کی علم دشمنی

لبرل ازم سے قبل مغرب میں مذہب کے علمبردار سائنس کو حرام سمجھتے تھے اور سائنسی تحقیقات کو نہ صرف رد کرتے بلکہ ایسے محققین کو سخت ظالمانہ سزاؤں سے نوازا جاتا تھا۔ مذہب کو جامد اور من مانی تعبیر پہنا کر انسانی ترقی کا دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔ بعض وہ احکامات جو کتاب مقدس میں واضح طور پر موجود تھے اور ان کی حلت و حرمت بھی واضح تھی۔ اس میں بھی انہوں نے من پسند ترمیم کر ڈالی۔ اس وقت یہ صورت حال پیدا ہو چکی تھی کہ مذہب نے انسان کو جامد اور ناترقی پذیر قرار دے دیا تھا۔ جس کی بنیاد پر ہر قسم کی علمی و تمدنی ترقی بڑی حد تک رکی ہوئی تھی اور جن لوگوں نے علم و فن کی ترقی میں حصہ لیا، انہیں نہ صرف یہ کہ مذہب کی بارگاہ سے ملعون و مردود قرار دے دیا گیا بلکہ انہیں سخت سے سخت سزائوں میں بھی مبتلا کیا گیا۔[35]

مذکورہ اسباب اور پس منظر کے نتیجے میں آزاد خیالی (Liberalism) اور روشن خیالی (Enlightenment) کی ایک ایسی فکری تحریک اٹھی جسے مغربی فلاسفہ نے روایت پسندی اور مقلدانہ طرز فکر کے مقابل اختیار کیا۔ آزاد خیالی کے متوازی چلنے والی درج ذیل دیگر تحریکات جو دراصل آزاد خیالی اور روشن خیالی ہی کے مختلف دھارے تھے، سب کے پیش نظر روایت، مذہب اور تقلید سے بیزاری اور بغاوت تھی:

i. نشاۃ ثانیہ (Renaissance)
ii. تحریک اصلاح علوم (Reformation)
iii. تحریک عقلیت پرستی (Rationalism)
iv. تحریک جدیدیت (Modernism)
v. سیکولرزم (Secularism)

5.4 مذہب بیزاری کا رجحان

مغرب میں مذہبی طبقہ (پاپائیت) اور امراء و ریاست کے مابین شکوک و شبہات اور غلط فہمیاں بڑھتی گئیں اور نوبت باہمی چپقلش تک پہنچی تو حکومت، امراء اور پوپ کے دائرہ ہائے اختیار کی تعین کی خاطر ایک معاہدہ امن کے طور پر ۱۲۱۵ء کو "میگنا کارٹا (Magna Carta) جاری ہوا۔ اس کی حیثیت ایک صلح نامہ (Treaty of Peace) سے زیادہ نہ تھی۔ مگر بعد ازاں یہ "منشور آزادی" کے طور پر مشہور ہوا۔ یورپی امراء (Barons) کے مفادات کے تحفظ، اور پوپ اور بادشاہ کے تعلقات کو معمول پر لانے کی اغراض سے کیا جانے والا یہ معاہدہ یورپ میں سیاسی ابتری اور پاپائیت سے عوامی بیزاری کی نشاندہی کرتا ہے۔ آہستہ آہستہ

ریاست و کلیسا کی باہمی مخالفت شدت اختیار کرتی گئی۔ اور مفکرین یورپ کا سیاسی فلسفہ کلیسا کے خلاف اور آزاد و خود مختار مملکت کے حق میں پروان چڑھتا رہا۔ مذہب سے بیزاری کا یہ رجحان اگرچہ شدید تر تھا لیکن اس کے مقاصد ریاست و مملکت کی آزادی و خود مختاری اور اس کے اختیارات میں وسعت تک محدود تھے تا کہ کلیسا ریاست کی ماتحتی میں رہے، پاپائے اعظم کا سیاسی اقتدار سے قطعا کوئی تعلق نہ ہو۔ چودھویں صدی عیسوی میں مذہبی طبقہ اور غیر مذہبی طبقہ کی یہ باہمی چپقلش عروج پر پہنچی اور کلیسا کا اختیار اور وقار آہستہ آہستہ ختم ہونا شروع ہو گیا۔ ڈی آر بھنداری اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

مذہب بیزاری کی ابتداء کا محرک پاپائیت کے چڑھتے اور بڑھتے ہوئے اقتدار کو محدود کرنے کا جذبہ تھا۔ لہذا اس مذہب مخالف تحریک کا ابتداء حکومت یا بادشاہ کے حق میں ہونا فطری امر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ چودھویں صدی کے یورپی سیاسی مفکرین کلیسا کی ضرورت کا اقرار کرنے کے باوجود کلیسا یا پاپائے اعظم کی برتری کے مقابلے میں خود مختار اور آزاد مملکت کے علم بردار کی حیثیت سے میدان میں آئے۔ اس سلسلے میں اٹلی کے مشہور شاعر اور سیاسی مفکر دانتے (Dante)، ولیم آف اوکیم (William of Ockam) اور مارسی لیو (Marsiglio) کی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ دانتے (Dante) نے اپنے وطن کی خانہ جنگی اور حالات کی بدامنی کا بغور مشاہدہ کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ پوپ (یا کلیسا) کو سیاسی اقدار سے یکسر محروم کر دینے سے ہی صلح و امن کی کوئی صورت نکل سکتی ہے۔ لہذا اس نے پوپ کے اختیارات کو محض روحانی رہنمائی تک محدود رکھنے کے خیال کا اظہار کیا۔ اس کے خیال میں بادشاہ کو پوپ پر بہر حال برتری حاصل ہے اور دونوں کے اختیارات خدا کی طرف سے عطا کردہ ہیں۔[36]

آزاد خیالی اور روشن خیالی کی اس تحریک کی بدولت آہستہ آہستہ مذہب کا دائرہ کار تنگ ہوتا چلا گیا اور جب زندگی کے اجتماعی دائروں اور اداروں سے مذہب بالکل ہی بے دخل ہونا شروع ہوا تو نہ ہی مقتدر طبقہ نے اپنی اصلاح کرنے کی جائے شدید منفی رد عمل کا اظہار کیا۔ چنانچہ اہل کلیسا ندہی نفرت پر مبنی روشن خیالی کی اس جدید رو کو روکنے میں ناکام رہے اور مغربی معاشرے کا مذہب پر اعتماد ختم ہوتا چلا گیا۔ اور انسانی زندگی کا کوئی شعبہ بھی روشن خیالی کی اس تحریک سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔[37]

پروفیسر عبد الحمید صدیقی تحریر کرتے ہیں کہ فلسفہ الحاد نے جس برق رفتاری سے دنیا میں ترقی کی۔ اس کی بڑی وجہ آزاد خیالی (Liberalism) ہے۔ آغاز میں تو اس تحریک نے محض اس لیے سر اٹھایا تھا کہ اس کے ذریعے عوام کے ذہنوں کو مذہب اور کلیسا کے ناروا ہتھکنڈوں سے آزاد کر لیا جائے۔ اس لحاظ سے یہ نہایت ہی اچھی تحریک تھی۔ اس نے لوگوں میں احساس اور شعور پیدا کیا، انہیں حالات پر غور و فکر کرنا سکھایا، انہیں یہ بتایا کہ وہ کن کن مظالم کا شکار ہیں۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس آزاد خیالی نے ذہنی انار کی کی شکل اختیار کر لی اور اب روشن خیالی کے یہ معنی قرار پائے ہیں کہ انسان کو ہر قسم کی پابندی سے آزاد ہونا چاہیے، خواہ وہ مذہب کی عائد کردہ ہو یا سماج کی۔ اس آزاد خیالی کی عملی انتہا یہ تھی کہ ہر وہ چیز جو پہلے سے چلی آتی ہو، وہ چاہے اپنے اندر

صداقت وافادیت کے کتنے ہی پہلو رکھتی ہو، اسے بہر حال رد کر دینا اور اس کے مقابلہ میں کوئی انوکھی اور نئی بات کہنا ہی روشن خیالی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس نظریہ کا اثر اس قدر ہمہ گیر تھا کہ زندگی کے تمام شعبے اس سے متاثر ہوئے"۔[38]

سائنسی علوم کی ترقی اور سائنسی فکر کے غلبے کا رجحان بھی روشن خیالی کی علامت اور مذہبی اقدار و اخلاق کے خاتمے کا باعث بنا۔ سائنسی علوم کا دائرہ کار عالم محسوسات اور عالم مادیات قرار پایا۔ محسوسات کو اصل حقیقت قرار دیکر غیر محسوسات کے وجود کا ہی انکار کر دیا گیا۔ کلیسا، سائنس دانوں کی اس جسارت پر حرکت میں آیا لیکن اہل کلیسا اور سائنسدانوں کا تصادم بھی بالآخر کلیسا کے وقار میں کمی اور اس کے خلاف نفرت میں اضافے کا باعث بنا۔ اس کشمکش کے نتیجے میں سائنس اور جدید علوم کا رخ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اہل کلیسا سے نفرت اور مذہب بیزاری کی طرف مڑ گیا۔ اب اہل مغرب کی فکری و عملی دلچسپیوں کا مرکز و محور فقط محسوسات، طبیعات اور مادیات کی دنیا ٹھہری۔[39]

یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد کچھ مدت تک مادی زندگی اور مسیحی اعمال دور سوم کو جمع کرنے کی کوشش کی جاتی رہی۔ مذہب کی پیروی سے وہ پوری طرح آزاد ہونا نہیں چاہتے تھے۔ اور اسی بات کے آرزومند تھے کہ وہ کسی نہ کسی طرح کم از کم زندگی کے معاملات میں مذہبی رسوم کی ضرور پابندی کریں۔ ان کا خیال تھا کہ اس سے قوم کے افراد کے درمیان ربط قائم رہ سکے گا اور اس طرح ملک اجتماعی انتشار اور اخلاقی ابتری سے محفوظ رہے گا۔ لیکن بادی تہذیب کا ریلا اتنا تیز تھا کہ اس کے سامنے مذہب اس کمزور حیثیت میں کھڑا نہ رہ سکا اور وقت کے دھارے کی نذر ہو کر رہ گیا۔ اور اس کی جگہ مادہ پرستی نے لے لی۔[40]

مادیت (Materialism) ہو یا دہریت والحاد (Heresy) ، عقلیت (Rationalism) ہو یا فطرتیت (Naturalism)، یہ تمام دراصل روشن خیالی (Enlightenment) کے پر فریب نعرے تھے۔ جن کا اصل مقصد مذہب سے بے بہرہ کرنا تھا۔ تاکہ بے مذہب اور لادین معاشرتی ماحول میں خواہشات وضروریات کے مطابق زندگی گزاری جاسکے۔ گویا اہل مغرب کی تمام فکری کاوشیں اور طرزہائے عمل دراصل غلامی خواہشات اور تکمیل مطالبات نفس کی خاطر تھے۔

الغرض روشن خیالی (Enlightenment) کی تحریک کے باعث انسان مغرب فکری و عملی طور پر ہر قسم کی قید و بند سے آزادی کا دعویدار بن گیا۔ اور اس دعوے کی بنیاد پر ایسے فکر و فلسفہ اور مجموعی سیاسی، معاشرتی اور معاشی رویے کی عمارت تعمیر ہوئی کہ آج تک مغربی معاشرہ اس کے درودیوار کے ساتھ سر ٹکرا رہا ہے۔ فرد کو معاشرے پر اہمیت دیتے ہوئے انفرادیت (Individualism) پر مبنی افکار ہوں یا معاشرتی اجتماع کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے فلسفہ کلیت (Totalitarianism) ہو۔ یا اس سارے فلسفے کا تتمہ اور تکملہ، آزادی کی نیلم پری، جمہوریت (Democracy) ہو۔ ان سب کی بنیاد میں یہی روشن خیالی کارفرما نظر آتی ہے۔

فکر مغرب میں ایک اصطلاح افادیت پسندی (Utilitarianism) بھی مشہور ہے۔ جو اپنے مفہوم کے اعتبار سے انفرادیت پرستی (Individualism) سے قریب ہے۔ نظریہ افادیت کے مطابق ہر فرد کا انفرادی حق ہے کہ وہ خوشی اور مفاد حاصل کرنے میں آزاد ہو۔ انفرادی مسرت چونکہ انفرادی آزادی سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ لہذا مقاصد کے اعتبار سے انفرادیت اور افادیت کی حدود باہم متصل ہیں۔ مغربی مفکرین کا نظریہ انفرادیت دراصل فرد کے حقوق کے تحفظ کا نعرہ لے کر اٹھا۔ لیکن آہستہ آہستہ اس نے ریاست اور معاشرہ کو سرے سے نظر انداز کر دیا، اور معاشرتی سیاسی، معاشی، قانونی اور انتظامی اقدار کا منبع وماخذ اور پیمانہ فقط فرد (Individual) کو سمجھ لیا گیا۔ فرد کی اس مطلق العنان آزادی کے تصور سے ہی موجودہ مغربی جمہوریت کا تانابانا تیار ہوا ہے۔[41]

5.5 اجتماعیت یا کلیت (Totalitarianism)

انفرادیت یا فردیت (Individualism) کا نظریہ فرد کی معاشرہ در یاست پر اہمیت کا نظریہ تھا۔ اس کے مقابلے میں جن مغربی مفکرین نے معاشرہ یا ریاست کو فرد پر اہمیت دیتے ہوئے اجتماعیت (Collectivism) کو اجاگر کیا ہے ان کی فکر کو کلیت یا اجتماعت (Totalitarianism) کی اصطلاح کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے۔ Totalitarianism کی اصطلاح اہل مغرب نے ایسے سیاسی و معاشرتی نظام کے لئے استعمال کی ہے جس میں سارے سیاسی و معاشرتی حقوق، اختیارات اور آزادی کا سرچشمہ ایک پارٹی یا چند افراد کی حکومت ہو۔ یعنی افراد معاشرہ کی فردیت (Individualism) برقرار نہ رہے۔ مغربی فکر میں سوشلزم (Socialism) اور کمیونزم (Communism)، فاشزم (Fascism) اور مثالیت (Idealism) کے نظریات بھی اس مفہوم سے قریب تر ہیں۔ اس لیے کہ ان سب میں فرد کی فردیت کو کچل کر بحیثیت مجموعی پورے معاشرے کو یا پھر حکومت و ریاست کو اصل اہمیت دے کر لا محدود اختیارات کا حق دار قرار دیا گیا ہے۔ پوری مغربی فکر ان دونوں انتہاؤں میں تقسیم ہو کر افراط و تفریط کا شکار ہے۔[42]

6 لبرل ازم / حریت پسندی کے مغربی معاشرے پر اثرات

6.1 تعلیمی اداروں پر اثرات

آزادانہ سوچ اور خیالات یورپ کے مراکز تعلیم میں نشو و نما پاتے رہے۔ خاص طور پر آکسفورڈ کے سائنس سکول اور بعد ازاں آکسفورڈ یونیورسٹی اور دیگر شہروں میں قائم ہونے والے تعلیمی ادارہ جات اس کے مرکز ٹھہرے۔ اس سے وہ لوگ زیادہ متاثر ہوئے جو معاشرے کے اعلیٰ ترین طبقوں سے تعلق رکھتے تھے اور جن سے نوابوں اور فوجی عہدیداروں کا چناؤ ہوتا تھا۔ ان نوجوان ذہنوں نے جن کے اندر تحقیق اور آزادی عمل کی روح بیدار ہو چکی تھی، اگلے چند سالوں میں متاثر کن کام کئے اور انسان کی آزادئ فکر اور آزادئ عمل کی سیاسی ترقی کی تاریخ میں اپنا نام چھوڑ گئے۔[43]

6.2 آزادی کی تحاریک پر اثرات

جب John انگلستان کا بادشاہ بنا، اس وقت آزادی کی تحریک طبقہ امراء، فوجی عہدیداروں، نوابوں، جاگیرداروں اور عوام الناس میں زور پکڑ چکی تھی۔ یعنی ذہنی طور پر عوام الناس نے اس تحریک کو کامل ترین صورت میں سمجھ لیا تھا اور لوگ اس کے لئے بالکل تیار تھے کہ کسی بھی وقت اپنے حقوق کے لئے اور اپنی آزادی کے لئے کوئی بھی کام کر گزریں۔ بعد ازاں یہ ہوا کہ King John کے آنے کے بعد فضا کچھ زیادہ ہموار ہوگئی اور لوگوں کے مطالبات بالکل محسوس ہونے لگے۔ کیونکہ وہ ایک ظالم، بے رحم اور خوفناک شخص تھا اور لوگ اس سے نفرت کرنے لگے۔ نوابوں اور طبقہ امراء نے بادشاہ کو 1215ء میں اپنا منشور میگنا کارٹا Magna Karta پیش کیا۔ دنیا میں جو پارلیمانی نظام چل رہا ہے، وہ برطانوی پارلیمانی نظام سے اخذ شدہ ہے، جس کی ابتدا جون 1215ء میں میگنا کارٹا پر شاہ جان کے دستخطوں سے ہوئی اور اس نے تکمیلی شکل 1275ء اور 1295ء میں اختیار کرلی۔ میگنا کارٹا کے معاہدے اور اسی قسم کے دوسرے منشور جنہوں نے تاریخ میں شہرت حاصل کی، وہ لبرل ازم کی تحریک ہی کے باعث ہیں۔[44]

6.3 ملکوں کی آزادی پر اثرات

آزادی کے فکری تخیلات اور فلسفیانہ تشریحات شروع ہوئیں۔ جنہیں بعد میں روسو اور برک نے لیا۔ انیسویں صدی میں ہیگل نے اور چند دیگر حضرات نے اس میں قوت پیدا کی اور اس کے عملی نتائج انیسویں صدی میں ظاہر ہوئے۔ یہ درست ہے کہ سترھویں اور اٹھارویں صدی میں ان آزادی پسند خیالات کے پھیلاؤ کا نتیجہ تھا کہ امریکہ کی آزادی کا منشور، فرانسیسی انقلاب کا منشور اور دیگر حقوق کے امریکی بل منظور کئے گئے۔ یہ تمام لبرل ازم اور روشن خیالی کی تحریک ہی کی بدولت منظر عام پر آئے۔[45]

6.4 لبرل ازم کے منفی اثرات

آزاد خیالی کی بدولت اگرچہ مغربی معاشرے نے بے حد ترقی کی لیکن بعد میں یہ ہر طرح کی پابندی کے خلاف ایک تحریک بن گئی جو بحر حال مستحسن قدم نہیں تھا۔ فلسفہ الحاد نے جس برق رفتاری سے دنیا میں ترقی کی، اس کی بڑی وجہ آزاد خیالی ہے۔ آغاز میں تو اس تحریک نے محض اس لئے سر اٹھایا تھا کہ اس کے ذریعے عوام کے ذہنوں کو مذہب کے ناروا بندھنوں اور نام نہاد حدود و قیود سے آزاد کرایا جائے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس آزاد خیالی نے ذہنی انارکی کی شکل اختیار کرلی اور اب روشن خیالی کے یہ معنی قرار پائے کہ انسان کو ہر قسم کی پابندی سے آزاد ہونا چاہیے۔ خواہ وہ مذہب کی عائد کردہ ہو یا سماج کی۔ اس آزاد خیالی کی عملی انتہا یہ تھی کہ ہر وہ چیز جو پہلے سے چلی آتی ہو، چاہے اپنے اندر صداقت و افادیت کے کتنے ہی پہلو رکھتی ہو، اسے بہر حال رد کر دینا اور اس کے مقابلے میں کوئی انوکھی اور نئی بات کہنا ہی روشن خیالی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔[46]

6.5 مغرب میں لبرل ازم کے اثرات

روشن خیالی کی اس تحریک کی مذہبی، سیاسی، سائنسی اور اخلاقی حتی کہ جمالیات سے متعلق بھی کئی شاخیں نمو پذیر ہوئیں۔ اس تحریک نے خاص طور پر عقیدہ اور الٰہیات سے انسانی ذہن کو آزاد کرانے کی ذمہ داری لے لی تھی، لہذا الٰہیات اور چرچ کو للکارا گیا۔ اس کے بعد قدیم نظام کے سارے ادارے اس میں شامل ہوگئے۔ ہر طرح کے خیال یا تصور کو جانچ پڑتال کر کے سائنسی تحقیق کے متعلق کر دیا گیا۔ اٹھارویں صدی کے آغاز میں آزاد خیالی کی اصطلاح انگریزی ادب میں آئی اور اس صدی میں آزاد خیال کہلوانے والے کثیر تعداد میں پیدا ہوئے۔[47]

7 مسلم معاشرے پر لبرل ازم کے اثرات

مغرب پر لبرل ازم کے اثرات مندرجہ ذیل تحریکوں کی صورت میں نمودار ہوئے۔

7.1 تحریک آزادی نسواں

معاشرے میں اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے کے لئے روشن خیالی کے خاص اہداف میں سے تحریک آزادی نسواں نمایاں ہے۔ یہ تحریک بھی مغرب سے اٹھی اور آج اس کے خوش نما نعرہ کی بازگشت مسلم معاشرے کے اندر بھی سنائی دے رہی ہے۔ مغربی معاشرے میں عورت کے ساتھ جو نفرت آمیز سلوک روا رکھا جاتا تھا، اس کے رد عمل میں آزادیٔ نسواں کی تحریک شروع ہوئی۔ یورپ میں تحریک آزادی نسواں کا باقاعدہ آغاز فرانسیسی انقلاب کے فوراً بعد ہوا۔ فرانسیسی انقلاب کے مفکرین کے نزدیک مساوات مرد وزن کا کوئی تصور نہیں تھا۔ ان کے پیش کردہ مساوات کے نعرے آزاد اور جائیداد رکھنے والے مردوں کے سیاسی حقوق تک ہی محدود تھے۔ 1784ء میں فرانس کی انقلابی اسمبلی میں ایک رکن Condorcet نے اپنی تقریر میں مطالبہ کیا کہ شہریوں کے حقوق میں عورتوں کو بھی شامل کیا جائے۔ جس کے نتیجے میں اسے باغی قرار دے کر پھانسی دے دی گئی۔[48]

7.2 سیکولر نظام تعلیم

آزاد خیالی کی تحریک نے جہاں عالم اسلام کو دیگر شعبہ ہائے حیات میں متاثر کیا وہاں نظام تعلیم بھی اس کی دسترس سے نہ بچ سکا۔ بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ نظام تعلیم روشن خیالی کا خاص ہدف رہا تاکہ ایک ایسی نسل تیار کی جا سکے جو اپنے مخصوص نظریہ حیات سے لاعلم ہو۔ اس قسم کی مادی تعلیم کا انتظام کیا جائے جس سے مادی ترقی تو کی جا سکے لیکن اخلاقی لحاظ سے یہ قوم بالکل دیوالیہ ہو جائے۔[49]

ہمارے ہاں مروجہ نظام تعلیم اس لئے قائم نہیں کیا گیا کہ مسلمانوں کے کلچر کو زندہ رکھنے اور ترقی دینے کے لئے اقدامات کئے جائیں بلکہ اس کے پیش نظر ایسے لوگ تیار کرنا ہے جو دین سے بیزار ہوں اور محض مادی ترقی کو ہی سب کچھ سمجھتے ہوئے بغیر اخلاقی اقدار

کے آگے بڑھتے جائیں۔ اس طرح کے لبرل و سیکولر نظام تعلیم نے ہماری جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔

7.3 سیاسی اثرات

پاکستان کا وجود دنیا کے نقشے پر اسلامی جمہوریہ کے حوالے سے ظہور پذیر ہوا۔ اسی بناء پر عالمی طاقتیں پاکستان میں ایسی سیاسی شخصیات کے سر پر ہاتھ رکھتی ہیں جو زیادہ لبرل بلکہ سیکولر ہوں تاکہ وہ ملکِ پاکستان کے حکومتی معاملات اور مذہبی تعلیمات کو الگ الگ کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ پاکستان کے موجودہ سیاسی حالات کو اس تناظر میں دیکھا جائے تو ہمارے ہاں آج کی ''روشن خیالی'' کے نعرے کی بہت اچھی طرح سمجھ آجاتی ہے کہ یہ فکر کہاں سے درآمد ہوئی اور اس کے پیچھے کونسے مقاصد کارفرما ہیں۔[50]

7.4 معاشرتی و اخلاقی اثرات

معاشرے کو سیکولر و لبرل بنانے کے لئے ایسی روایات اور اقدار کی حوصلہ افزائی سرکاری سطح پر بھی کی جارہی ہے، جس کے نتیجہ میں فحاشی عام ہو۔ المیہ یہ ہے کہ ایسی روایات معاشرے کے لئے کوئی صحت مند سرگرمیاں ہرگز نہیں ہیں بلکہ فکری لحاظ سے حیوانیت اور جنسی بے راہ روی کی طرف مائل کرنے کے اقدام ہیں۔ دراصل ''روشن خیالی'' کا وہ پورا خاکہ جو ہم نے اغیار سے مستعار لے رکھا ہے اس میں رنگ بھرنے کے لئے بھی اس کی دی ہوئی ثقافتی اقدار کو استعمال کیا جارہا ہے۔ ذرائع ابلاغ، ریڈیو، ٹی وی، اخبارات و جرائد اور فلموں کو بڑی منصوبہ بندی سے فکر و نظر کی گمراہیاں پھیلانے اور اسلامی اقدار کو مٹانے اور ان کا مذاق اڑانے کے لئے استعمال کیا جارہا ہے اور ان تمام کو لبرل ازم کا لازمی تقاضا قرار دیا جارہا ہے۔ مسلمانوں کی دینی اقدار اور پختہ عقائد کو بنیاد پرستی قرار دے کر نئی نسلوں کو اپنی پرانی نسل کے عقیدے اور ایمان سے بدظن کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

8 نتیجہ بحث

انسان کی اصل آزادی دین اسلام کی پابندی میں ہے چونکہ وہ عین فطرت سلیمہ ہے۔ شیطان کا اصل ہدف امسان کی فطرت سلیمہ ہے جس میں وہ تبدیلی کر کے انسانوں کو اپنے ماتحت کرنا چاہتا ہے۔ جیسا کہ شیطان نے یہی قسم اٹھائی ہے کہ میں انہیں ضرور گمراہ کروں گا۔[51] لبرل ازم نے جہاں معاشرے پر کچھ مثبت اثرات مرتب کئے وہاں اس نے منفی اثرات بہتات کر دی۔ مغرب میں جہاں لبرل ازم کی وجہ سے مغربی معاشرے میں سائنسی علوم میں ترقی ہوئی وہاں الحاد اور دین سے دوری کے اثرات بھی مرتب ہوئے۔ اسی طرح یہ اثرات پوری دنیا میں پھیلے بالخصوص مسلم معاشرے پر اس نے گہرے منفی نقوش ثبت کئے۔ انسان کا انسانیت سے نکل کر حیوانیت کی جانب سفر شروع ہوا۔

حوالہ جات

[1] ابن المنظور، ابی الفضل جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب، دار البیروت، ۱۹۵۵ء ج۴، ص ۱۸۱

Ibn al-Manẓūr, Abū al-Faḍl Jamāl al-Dīn Muḥammad ibn Mukarram, Lisān al-‘Arab, Dār al-Bayrūt, 1955, jild 4, ṣafḥah 181

[2] - اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۹۷۳ء، ج۸، ص ۴۷

Urdū Dā’irat al-Ma‘ārif al-Islāmiyyah, Dānishgāh Panjāb Lāhaur, 1973, jild 8, ṣafḥah 47

[3] - فیروز آبادی، مجد د الدین محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، المطبعۃ الحسینیہ مصر، ۱۳۳۰ھ ج ۲، ص ۷

Fayrūzābādī, Mujaddid al-Dīn Muḥammad ibn Ya‘qūb, al-Qāmūs al-Muḥīṭ, al-Maṭba‘ah al-Ḥusainiyyah Miṣr, 1330H, jild 2, ṣafḥah 7

[4] - القرآن الحکیم ۲: ۱۷۸

Al-Qur’ān al-Ḥakīm (al-Baqarah) 2:178

[55] - القرآن الحکیم، ۳:۳۵

Aīḍan, (Āl ‘Imrān) 3:35

[6] ـ امام راغب اصفہانی، مفردات القرآن (ترجمہ م محمد عبدہ، الفلاح) المکتبۃ القاسمیہ لاہور، س ن، ص ۲۱۱

Imām Rāghib Iṣfahānī, Mufradāt al-Qur’ān (Tarjumah M. Muḥammad ‘Abduh, al-Falāḥ) al-Maktabah al-Qāsimiyyah Lāhaur, s.n., ṣafḥah 211

[7] - لوئیس معلوف، المنجد، المطبعۃ الکاثولیکیہ بیروت، ۱۹۶۰ء، ص ۱۲۴

Lūīs Ma‘lūf, al-Munjid, al-Maṭba‘ah al-Kāthūlīkīyah Bayrūt, 1960, ṣafḥah 124

[8] - جبران مسعود، الرائد، دار العلم للملائین بیروت، ۱۹۶۴ء، ص ۵۶۳

Jubrān Mas‘ūd, al-Rā’id, Dār al-‘Ilm lil-Malāyīn Bayrūt, 1964, ṣafḥah 563

[9] - فیروز اللغات اردو جدید، فیروز سنز لیمٹیڈ لاہور ۱۹۶۷ء، ص ۱۸

Fayrūz Lugāt Urdū Jadīd, Fayrūz Sons Limited Lāhaur, 1967, ṣafḥah 18

10 -The Oxford reference dictionary (ed. by Joyce M. Hawkins), clarendon press Oxford UK, 1990, p 475

11 -The New Oxford encyclopedic dictionary, Oxford university press, 1983, vol. 2, P 973

12 -The American Heritage dictionary, Houghton Mifflin company U.S.A., 1982, P 727

[13] - البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح کتاب فی العتق وفضلہ، باب اذا قال لعبدہ ھو للہ نوی العتق والاشھاد بالعتق دار الفکر استنبول، ۱۹۸۱ء ج۶، جزء ۳، ص ۱۱۹

al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismā‘īl, al-Jāmi‘ al-Ṣaḥīḥ Kitāb fī al-‘Itq wa Faḍluh, Bāb idhā qāla li-‘abdihi huwa li-Allāh nawaya al-‘itq wa al-ishhād bi-al-‘itq, Dār al-Fikr, Istanbul, 1981, jild 6, juz’ 3, ṣafḥah 119

[14] - لسان العرب ج ۴، ص ۱۸۶

Lisān al-‘Arab, jild 4, ṣafḥah 186

[15] - تاج العروس، ج ۳، ص ۱۳۶-۱۳۷

Tāj al-‘Arūs, jild 3, ṣafḥah 137-136

16 -القشیری ابوالقاسم عبدالکریم بن ھوازن الرسالۃ(مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن)،ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۹۷۰ء، ص ۳۴۵
al-Qushayrī, Abū al-Qāsim ‘Abd al-Karīm ibn Hawāzin, al-Risālah (tarjumah Ḍākṭar Pīr Muḥammad Ḥasan), Idārah Taḥqīqāt Islāmī Islāmābād, 1970, ṣafḥah 345
17 -Aristotle. The politics. The chaucer press suffolk, UK. 1967, P 216
18 -Ibid pp 236-237
19 - History of European political philosophy, P 38
20 - Stevenson, Burton, Book of Quotations, Cassell & Co. Ltd. London, 1967, P 723

21 -الفارابی، ابونصر، آراء اھل المدینۃ الفاضلۃ المطبعۃ الکاثولیکیۃ بیروت، ۱۹۵۹ء، ص ۱۲۴
al-Fārābī, Abū Naṣr, Ārā’ Ahl al-Madīnah al-Fāḍilah, al-Maṭba‘ah al-Kāthūlīkīyah, Bayrūt, 1959, ṣafḥah 124

22 -القرآن الحکیم ۱۸:۲۹
Al-Qur’ān al-Ḥakīm18:29

23 -اقبال، علامہ محمد، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ (ترجمہ نذیر نیازی)، بزم اقبال لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۶۴
Iqbāl, ‘Allāmah Muḥammad, Tashkīl Jadīd Ilāhiyāt-e-Islāmiyyah (tarjumah Nazīr Niyāzī), Bazm-e-Iqbāl, Lāhaur, 1994, ṣafḥah 164

24 -کلیات اقبال (اردو)، الفیصل ناشران کتب لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۴۴۵
Kulliyāt-e-Iqbāl (Urdū), al-Faiṣal Nāsharān-e-Kutub, Lāhaur, 1995, ṣafḥah 445

25 -ایضاً، ص ۴۴۷
Ibid, ṣafḥah 447
26 - Lestr D. Crow & Alice crow, Reading in general psychology, New Yark, 1975, P 206
27 - Floyd L. Ruch, Psychology & Life, Scott, Foresman & cop, 1980, P 335.

28 - محمد قطب، جدید جاہلیت، البدر پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۰ء، ص ۹۷
Muḥammad Quṭb, Jadīd Jāhilīyat, al-Badr Publications, Lāhaur, 1980, ṣafḥah 97
29 -سید محمد سلیم، مغربی فلسفہ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ، ادارہ تعلیمی تحقیق تنظیم اساتذہ پاکستان لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۲۵۔
Sayyid Muḥammad Salīm, Maghribī Falsafah Ta‘līm kā Tanaqqidī Muṭāla‘ah, Idārah Ta‘līmī Taḥqīq Tanẓīm-e-Asātidah Pākistān, Lāhaur, 1986, ṣafḥah 25
30 - dictionary, U.S.A., 1949, P 331
31 - The Encyclopaedia of Religion, Macmillan publishing Co. New Yark, 1987, Vol: 5, P 109
32- مغربی فلسفہ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ، ص ۳۴
Maghribī Falsafah Ta‘līm kā Tanaqqidī Muṭāla‘ah, ṣafḥah 34
33 Wikipedia,(Liberalism),The Wealth of Nations, Strahan and Cadell, 1778
34 مبارک علی، یورپ کا عروج، پبلشر: فکشن ہاوس، لاہور، ۲۰۱۲، ص 65-70۔
Mubārak ‘Alī, Yūrub kā ‘Urūj, Publisher: Fiction House, Lāhaur, 2012, ṣafḥah 65-70
35 تقی امینی، لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر، ناشر: مکی دار لکتب، لاہور، ۲۰۱۳، ص:39۔

Taqī Amīnī, Lāmazhabī Daur kā Tārīkhī Pas-e-Manẓar, Nāshir: Makkī Dār al-Kutub, Lāhaur, 2013, ṣafḥah 39
36 - History of European political philosophy, P 128.
37 - Gettell's History of political thought, P 127

38- عبدالحمید صدیقی انسانیت کی تعمیر نو اور اسلام، اسلامک پبلیشنگ ہاؤس لاہور، ۱۹۹۱ء ص ۲۲
‘Abd al-Ḥamīd Ṣiddīqī, Insānīyat kī Ta‘mīr-e-Nau aur Islām, Islamic Publishing House, Lāhaur, 1991, ṣafḥah 22
39 - The encyclopedia of religion, vol 5 p.109

40- انسانیت کی تعمیر نو اور اسلام ص ۲۳

Insānīyat kī Ta‘mīr-e-Nau aur Islām, ṣafḥah 23

41 - History of European political philosophy,P 427
42 - Gettell's history of political thought,p 9
43 Wikipedia,(Liberalism),Stewart, Ross E. (1984). "Sismondi's Forgotten Ethical Critique of Early Capitalism". Journal of Business Ethics): 227–234. doi:10.1007/BF00382924. S2CID 154967384

44 ایضاً، ص:322

Aīḍan, ṣafḥah 322

45 ایضاً، ص:255

Aīḍan, ṣafḥah 255

46 عبدالحمید صدیقی، انسانیت کی تعمیر نو اور اسلام، ناشر: اسلامک پبلشر، لاہور، ۲۰۱۹، ص:22
‘Abd al-Ḥamīd Ṣiddīqī, Insānīyat kī Ta‘mīr-e-Nau aur Islām, Nāshir: Islamic Publisher, Lāhaur, 2019, ṣafḥah 22

47 لبرل ازم کے ہمارے معاشرے پر اثرات، افضل الرحمن، شخصی آزادی، صفحہ:321 https://www.pat.com.pk/urdu/tid/4456

,Libral Azam ke Hamāre Mu’āshray par Asrāṭ, (Afzal al-Raḥmān, Shakhsī Āzādī, Ṣafḥah 321)

48 رفیق چودھری، مساوات مرد وزن، ناشر: مکتبہ قرآنیات، لاہور، ۲۰۱۱ء ص17
Rafīq Chaudhry, Musāwāt-i-Mard-o-Zan, , Nāshir: Maktabah Qur’āniyyāt, Lāhaur, 2011, Ṣafḥah 17

49 رمضان گوہر، افکار اقبال اور روشن خیالی، ص:21، ناشر: اقبال اکادمی، لاہور، ۲۰۰۸ء
Ramaẓān Gohar, Afkār-e-Iqbāl aur Roshan Khayālī, Ṣafḥah 21, Nāshir: Iqbāl Academy, Lāhaur, 2008

50 عمر ابراہیم، یورپ کا عروج مسلم دنیا کا زوال، اپریل ۲۴، ۲۰۲۰ https://fridayspecial.com.pk/2020/04/24/248130/
‘Umar Ibrāhīm, Yūrub kā ‘Urūj Musalm Duniyā kā Zawāl, April 24, 2020

51 القرآن الحکیم 4:119

Al-Qur’ān al-Ḥakīm 4: 119